سلسلہ تصنیفات مسلم بک سوسائٹی نمبر ۳

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

مسیح کی الوہیت

اور

اس کی کامل انسانیت

پر

ایک نظر

یعنی

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری (امام مسجد ووکنگ)

کی

انگریزی تصنیف کا اردو ترجمہ

جس کو
مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور نے دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء میں شائع کیا
مطبوعہ کریمی پریس لاہور

بلادِ غربیہ میں اسلام کا مشعلبردار

اِسلامک ریویو مجریّہ انگلستان قیمت سالانہ صہ

(قیمت سالانہ ہے)

اِس کا اُردو ترجمہ رسالہ

اشاعت اسلام

(قیمت سالانہ)

ایڈیٹر حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری

مسلم پبلک میں اسلامک ریویو کسی معرف کرانے کا محتاج نہیں صرف برادران اسلام کو یہ اطلاع دینا چاہتے ہیں کہ اس وقت اسی کے منافع پر انگلستان میں اسلامی مشن کے اخراجات بہت حد تک چل رہے ہیں اس کا ہر ایک خریدار اب گویا بلاد غربیہ میں اسلام کا خود متکفل ہو جاتا ہے اگر برادران ملت کوشش کر کے انگریزی رسالہ کے پانچہزار اور اردو کے دس ہزار خریدار پیدا کر دیں تو اُن کا منافع ہمارے ووکنگ اسلامی مشن کا کفیل ہو سکتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ انگریزی رسالہ کئی ہزار تک بلاد غربیہ میں مفت تقسیم ہو۔ اگر کوئی تبلیغ اسلام کا شیدائی ہمیں چار روپے سالانہ بھیجدے۔ تو ہم انکی جگہ ایک انگریزی رسالہ یورپ میں مفت تقسیم کرینگے۔ کیا ملت بیضا کی اشاعت کے عاشق چند ہزار بھی ہندوستان میں نہیں؟

دوستو اٹھو! جاگو!! وقت کو غنیمت سمجھو!!! اسلامک ریویو ہی ایک کامیاب ذریعہ اشاعت اسلام کا ثابت ہوا ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ اس نے اپنی عزت کو یورپ میں نہایت آب و تاب سے قائم کیا ہے اسکو مضبوط کرنے کی کوشش کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے اجر جزیل پاؤگے۔ والسلام

المشتہر۔ خواجہ **عبد الغنی** مینجر رسالہ اسلامک ریویو و اشاعت اسلام۔ عزیز منزل لاہور

مسیح کی الوہیت
اور
اس کی کامل انسانیت
پر
ایک نظر

"میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے"
(خروج ۲۰:۳) یہ ارشاد خدا اسرائیل نے موسےٰ کو فرمایا۔ اور جسقدر
حکم ربیّ تاکیدی تھا۔ اس کی تعظیم اس کی تعمیل کی بجائے اس کی
خلاف ورزی میں کی گئی۔ خدائے تعالےٰ کی طرف سے بُت
پرستی کے خلاف بار بار تہدید ہوتی رہی۔ لیکن اسرائیل کے
گھرانے نے "بیگانے الہوں کا پیچھا کیا اور ان کی بندگی کی
اور سجدہ کیا" وہ "غیوّر خدا" کے قہر وغضب کی تو برداشت
کرتے تھے لیکن تراشی ہوئی مورت کا چھوڑنا ان کے لئے
دشوار تھا۔ مگر اسرائیل ہی بنی نوع میں کا بدترین نہ تھا۔ دنیا
کے مختلف حصص میں جہاں کہیں انسان تھے انہیں اپنی آتماکنتی
اور اپنی روحانی ترقی۔ اپنے ہاتھ کی بنائی مورتوں کے آگے

سرجھکانے میں ہی نظر آئی - ہندی مصری - ایرانی سریانی
رومی - یونانی ان سب نے نوبت بنوبت مختلف علوم وفنون
میں ترقی کی - لیکن خدائے واحد کی پرستش کی حقیقت جو
چار ہزار برس ہوئے کوہ سینا پر تلقین کی گئی تھی - اور جس کی
گونج پھر کوہ زیتون پر سنائی دی گئی اُن کے فہم سے بالا
ہی رہی - مسیحی کلیسا بھی تدت تک ابتداء میں اپنے کلمہ کو قدیم
عادت بُت پرستی سے بچا نہ سکا - رومی - یونانی افسانے کلیسا
میں آگھسے - اور پُرانے دیوی دیوتاؤں نے رومن کیتھولک
طریق تقدیس کے ذریعہ بہ تبدیلی نام ومقام کلیسا میں مقدس
جگہ حاصل کر لی - شرک بہر حال ایک نہ ایک رنگ میں انسانی
طبائع پر غالب رہا - حتیٰ کہ جناب خاتم النبیین صلے اللہ علیہ
وسلم دنیا میں مبعوث ہوئے - جن کے ہاتھ سے عرب میں
شرک نے ہمیشہ کی موت دیکھی - ماسوا اللہ کی پرستش ایسی
مری کہ پھر نہ اُٹھی - اور خدا کے آخری کلام نے توحید کو
اِس طرح کھول کھول کر بیان کیا - کہ آج مشرکانہ فطرت
والے بھی توحید کے آگے مجبوراً سر جھکاتے ہیں - ہاں اِس کی
خلاف ورزی میں جو اُن سے ظہور پذیر ہوتا ہے - اُس کے
لئے انھیں ہر وقت ایک نہ ایک توجیہ کی ضرورت رہتی ہے یہ
مضمون زیرِ قلم کے دائرہ سے ہیں نے اس سوال کو باہر

رکھا ہے ۔ کہ قدیم زمانہ میں الوہیت مسیح کا کیا مفہوم تھا اور پھر زمانہ کے ساتھ ساتھ کس طرح وہ مفہوم بدلتا گیا یہاں اسی قدر کہہ دینا کافی ہے ۔ کہ موجودہ طبائع نے مسیحی دُنیا میں پُرانے مسائل سب ترک کر رکھے ہیں ۔ اور آجکل کے دل و دماغ ایک سے زیادہ خدا ماننے سے اب بہت ارفع ہیں ۔ بلکہ فی زماننا عیسائیوں کے متعلق یہ کہہ دینا کہ وہ قدیمی عیسائیوں کی طرح تین خدا مانتے ہیں خود ایک قسم کی ناواقفیت اُس عقیدے سے ظاہر کرنی ہے ۔ جو اُنہوں نے موجودہ علم الٰہیات مغربی کے ماتحت قایم کر رکھا ہے ۔ وہ تو کہتے ہیں ۔ کہ ہم بھی ایک خدا اور صرف ایک ہی خدا کے قایل ہیں ہاں خداوند مسیح اُسی خدا واحد کے مظہر ہیں ۔

بیشک یہ امر تو محالات سے ہے ۔ کہ محدود احساس کا انسان ۔ لامحدود ذات کو سمجھ سکے ۔ انسان کی اپنی کوشش کا انتہا تو یہی ہے ۔ کہ وہ ایک طاقت کا قایل ہو اور یہ سمجھ لے کہ ایک لامحدود و ابدی طاقت اِن تمام اشیائے عالم کا ماخذ ہے ۔ اور اس امر سے نہ تو سائنس کو اور نہ کسی متشکک طبع کو کبھی انکار ہوا ہے ۔ خود حکیم ہربرٹ سپنسر کا قول ہے کہ ہم اسباب و علل کی تلاش میں جب تک مسئلہ علت اولے کے قایل نہ ہوں ۔ ہم کسی نکتہ پر قایم نہیں ہو سکتے ۔ اور فی الحقیقت

علت اولے کے ماننے کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ اور ہم کو مجبوراً اُسے لا محدود اور ابدی ماننا پڑتا ہے"۔ لیکن کیا اِس علت اولی کا علم ہونا محالات سے ہے؟ کیا اُس کے تمام کام میں حکمت۔ علم اور ترتیب نہیں؟ اور اگر ہے تو کیا اِس علت اولے کے لئے یہ امر غیر اغلب ہے۔ کہ وُہ اپنے بعض صفات و حالات کا علم اپنی مخلوقات کو دے۔ جو علم وہ مخلوق ازخود حاصل نہیں کر سکتی۔ اور کیا ایسا ہونا محال ہے "اسکے برعکس قیاس کرنا"۔ جیسے کہ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے۔ "نہ صرف حکمت سے ہی دُور ہے بلکہ بیہودہ بھی ہے"۔ وہ کہتا ہے کہ "انسان کو چاہئے کہ ٹھنڈے اور تعصب سے پاک دل کے ساتھ اُن تمام تاریخی واقعات کا امتحان کرے اور ایسا ہی عیسائیت کے اُن تمام تاریخی واقعات کا امتحان کرے اور ایسا ہی عیسائیت کے اُن تمام اندرونی اطوار کو دیکھے کہ جن پر عیسائیوں کے اِس عقیدے کا مدار ہے۔ کہ اس عظیم علت العلل اور باعث اولے نے یسوع مسیح میں اپنے اخلاق کا اظہار کیا اور اُس کے ذریعہ وہ بنی نوع کے ساتھ ہم کلام ہوا"۔ اگر انسان صرف مادہ کا مادی مجموعہ نہیں بلکہ اس میں ذہنی اور اخلاقی قوتے بھی ہیں۔ اور اگر انسانی اخلاق اُسی خدا کے اخلاق ہیں۔ کہ جس کی وہ تصویر ہے۔ تو کیا یہ دل پسند امر نہیں

کہ انسان کی پیروی اور تقلید کے لئے بطور نمونہ خدا خود انسان میں ظاہر ہو جس کی اتباع میں ہمارے کل اخلاقی قوائے مکمل اور نشوونماء پالیں +

جب مسیح کی ذات یکتا کو دیکھا جاوے۔ اُس کی معصوم اور گناہ سے پاک زندگی پر نگاہ ڈالی جاوے۔ اُس کا موت کے بعد جی اُٹھنا۔ اُس کے معجزات وغیرہ وغیرہ۔ یہ امور بقول عیسائی صاحبان ایسی صفات الٰہیہ ہیں۔ جو مقدس کنواری کے مبارک فرزند میں ظاہر ہوئے ہیں +

یہ چند باتیں۔ عیسائی صاحبان آج کل الوہیت مسیح کی توجیہ میں بیان کیا کرتے ہیں۔ نہ تو میں ان مذکورہ بالا مقدمات کی صحت پر کچھ کہنے کی ضرورت سمجھتا ہوں اور نہ اُن صحائف کی اصلیت کے متعلق کوئی جرح کرنی ضروری ہے۔ کہ جو امور بالا ماخذ ہیں۔ میں ان تمام موجبات کو جس طرح پر پیش کئے گئے ہیں سر دست تسلیم کر لیتا ہوں۔ لیکن کیا ان مسلمات سے وہ نتائج اخذ ہو سکتے ہیں جو نکالے گئے ہیں۔ یہ ایک سوال ہے۔ کہ جس کا جواب اثبات میں دینے کے لئے مجھے تامل ہے اور میں طیار نہیں +

پیغمبر ناصری کے معجزات یا اُس کی تعلیم یا اُس کی معصوم زندگی۔ یا اُس کے اپنے مُنہ بولے جلالی مقتدرانہ الفاظ۔ جو بناء الوہیت سمجھے گئے ہیں۔ ان باتوں کے متعلق میں بعد میں اپنی

رائے ظاہر کروں گا۔ علاوہ ازیں ان وجوہ کی بنیاد پر مسیح بے عدیل اور یکتا نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی تاریخ نے بہتیرے عظیم الشان انسان دیکھ چھوڑے ہیں۔ جو ان وجوہ پر اگر یہ کافی ہوں تو مسیح کے ساتھ مدعی الوہیت ہو سکتے ہیں۔ میں سر دست سب سے پہلی دلیل پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اور دلائل کے مقابل یہ دلیل مجھے زیادہ دل پسند ہے اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ بظاہر دیکھنے کو یہ یقین دلاتی نظر بھی آتی ہے۔

کیا مسیح صفات الٰہیہ کا مظہر ہے؟ اگر اپنے صفات کاملہ اور اپنے جلال کے ظہور کے لئے خدا کو یہی پسند ہو کہ وہ انسانی پیدائش لے۔ اور اس قدر نیچے بھی اتر آوے کہ اور انسانوں کی طرح کھائے اور پیئے اور پھر اس اکل و نوش کے نتائج بھی بھگتے۔ تو پھر یہ امر بھی قابل توجیہ ہو سکتا ہے کہ اس میں معمولی انسانوں کی سی معمولی نقص اور کمزوریاں بھی ہوں۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ مجھے بھی اس قدر تو غیر معقول پسند نہ ہونا چاہئے کہ میں عورت کے رحم سے نکلے ہوئے خدا سے ان صفات سے ہمتا اور ان فوق الانسان وراء الوراء اوصاف مثلاً علم کل۔ قدرت تامہ صفت حاضر ناظر وغیرہ وغیرہ کی توقع رکھوں۔ جو دنیا کے ہر حصہ میں ہر وقت درست طور پر خدا کے متعلق از قسم لازمات سمجھی گئی ہیں۔ بقول عیسائی صاحبان یہ بات تو ہمیں ہمیشہ ہی نصب العین

رکھنی چاہیئے۔ کہ ابن آدم اگر خدا تھا تو انسانی جامہ میں تھا۔ اور اگر خداوند کے جلال اور اُس کی صفات نے ظہور پانا تھا تو احاطہ انسانیت کے اندر اندر ظہور پانا تھا۔ اور ساتھ ہی زمان و مکان کے ان بے رحمانہ اور پر از ظلم قیود کے ماتحت رہ کر جن کا شکار انسان جیسا بے چارا اور بے کس مخلوق ازل سے ہو چکا ہے۔ لہذا ان حالات کے ماتحت یہ امر کوئی حیرت بخش امر نہیں کہ خدا کو جامہ مظہریت میں بہت سی باتوں کا علم نہ تھا۔ مثلاً خداوند نے اعتراف کیا ہے۔ کہ وہ آخری گھڑی سے بالکل ناواقف ہے اُس گھڑی کا علم خدا کو بحیثیت باپ تو ہے۔ لیکن جب وہ بیٹا بنا تو نہ صرف اس کو وہ گھڑی معلوم ہی نہ رہی۔ بلکہ اُس آخری وقت کا علم اُس کے امکان سے بھی باہر ہو گیا۔ خدا کی ان دو فطرتوں کی کی حقیقت سمجھنے کے لئے شاید اُس کا واقعہ درخت انجیر بہترین تشریح ہے (مرقس ۱۱/۱۲) خداوند کو بھوک لگی ایک انجیر کا درخت پاس تھا۔ اُس پر پتے بھی تھے۔ خداوند اُس کے پاس اِس خیال سے گیا۔ کہ شاید اُسے کھانے کو کچھ مل جاوے۔ اور جب وہ درخت کے نزدیک گیا۔ تو اُس میں پتوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ خداوند صرف علم کل سے ہی بے بہرہ نہ تھا۔ بلکہ معمولی مشاہدہ انسانی سے بھی معرا تھا کیونکہ وہ وقت انجیر کے پھل دینے کا نہ تھا۔ لیکن خداوند تو

انسان بھی تھا۔ اور اس لئے اُس سے وہی صادر ہوا جو کسی بھی جنس انسان سے بھوک سے تنگ آکر صادر ہوا کرتا ہے۔ یہ کوئی عجیب بات ہے؟ ہم بھی بعض وقت کسی جذبہ یا خواہش سے مغلوب ہو کر معمولی عقل سے گری ہوئی باتیں کر دیا کرتے ہیں ہوا کیا اگر خداوند نے درخت جیسی بے جان چیز پر اپنی ناراضگی اس لئے ظاہر کی۔ کہ وہ اس کی اشتہا کے دفعیہ کا سامان مہیا نہ کر سکا۔ یہ تو وہی بات ہے۔ جو ہم سے بھی جب ہم اپنی امید یا توقع میں ناکام ہوتے ہیں۔ بیجان چیزوں کے برخلاف صادر ہوا کرتی ہے۔ لیکن یہ ساری باتیں عیسائی نکتہ خیال سے خداوندی جلال کے ظہور کے ضروری مقدمات تھے جس نے خداوند کے اس کلام میں ظہور پایا۔ کہ آج سے بعد کوئی انسان تجھسے پھل نہ کھا سکے گا۔ اور وہ درخت ہمیشہ کے لئے مرجھا گیا۔ ہم یہ تو جانتے ہیں۔ کہ عہد جدید میں یسوع کے متعلق بہت سی ایسی باتیں لکھی موجود ہیں جو کل دُنیا کے مفہوم الوہیت کے قطعًا قطعًا منافی ہیں لیکن الوہیت مسیح کی تو شان ہی اور ہے۔ وہ تو اس لئے اپنے باپ کے ساتھ ہم جلیس ہے۔ کہ اُس کی ذات میں خدا کے بعض اخلاق نے ظہور اور نشو ونما پایا۔ واللہ اُن علوِ شان فوق الانسان صفات کو جو ذات مطلق خدا کی شان کے شایاں ہیں۔ یسوع کو کوئی بھی تعلق نہیں جب خدا میں شخصیت ہے۔ اور انسان اُس کی تصویر ہے ہے

تو ربانی تصویر کے اخلاق واوصاف کا ظہور بھی تو صرف اسی
خدا میں ہو سکتا ہے جو انسان بھی ہو اور خدا بھی ہو۔ لیکن کیا
یسوع ان ربانی اخلاق کا مظہر تام تھا۔ ایسا ہی اگر انسان کا اصل
جس پر اس کی ساخت ہے۔ خود خدا ہے۔ تو پھر جو اخلاق اور
اوصاف انسان میں پائے جاتے ہیں وہ بالضرور اخلاق الہیہ
ہیں۔ اور اگر انسان کے اخلاق۔ بذات خود ایک حقیقت ہیں
جو باقاعدہ اصلاح پا کر کل دنیا کے حکمران ہو جاتے ہیں۔ تو سوال
یہ ہے کہ کیا وہ تمام کے تمام انسانی اخلاق یسوع کے اندر تہذیب
اور نمو حقیقی حاصل کر گئے۔ صبر۔ تحمل۔ حلم۔ محبت۔ لاریب۔ انسان
کے اعلےٰ اخلاق ہیں۔ اور اپنے اندر ربانی فطرت بھی رکھتے ہیں لیکن
کیا یہ نرم بردبارانہ خلق کل کے کل انسانی اخلاق کی لمبی چوڑی فہرست
پر حاوی ہیں۔ کیا انسانیت کے لوازمات میں بعض اور عاملانہ گرم
اور تیز اخلاق شامل نہیں۔ مثلاً شجاعت۔ عدالت۔ سخاوت۔ امانت
وغیرہ وغیرہ۔ اور کیا یسوع کو جو مواقع نصیب ہوئے۔ کہ جو ان
اخلاق کے ظہور کے لئے لازمات سے ہیں۔ کیونکہ جب تک
کسی اخلاقی جوہر کے عمل میں لانے کا موقعہ کسی کو میسر نہ ہو۔ کسی پر
کسی استعداد کا امکان اس کی حقیقت کا کوئی ثبوت نہیں۔ خدا نہ
کرے میں یسوع کی شان میں یہ کہوں کہ اس سے وہ باتیں صادر
ہوئیں جو صفات بالا کے خلاف ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے۔ کہ کسی میں

منفی خلق کا ہونا یعنی اُس کا کسی خاص خلق کی خلاف ورزی نہ کرنا خصوصاً جب وہ معلّم اخلاق بھی ہو۔ کوئی حقیقی خلق نہیں۔ ایسے منفی خلق کے رکھنے میں کسی کا خرچ یا حرج ہی کیا ہوتا ہے۔ اور علاوہ ازیں یہ اُس شخص کے لئے کیا سبق ہو سکتا ہے۔ جو عملی نمونہ کا محتاج ہے ٭

کسی بزرگ کی زندگی کے اخلاقی پہلو پہ محاکمہ کرتے ہوئے لوگوں سے عموماً ایک غلطی ہو جاتی ہے۔ اور یہ غلطی کچھ اس قسم کی خطرناک غلطی ہے۔ کہ نامعلوم طریق پہ یہ غلطی اِن لوگوں کے محاکمہ پہ بھی اثر ڈال دیتی ہے۔ جو اور طرح اپنے بے تعصّبانہ طریق تنقید کے لئے مشہور معروف ہیں۔ بعض دفعہ بعض معلّم اپنے خطبات اور وعظوں میں اپنے سامعین کو بعض محاسن کی تاکید کرتے ہیں اور سمجھ لیا جاتا ہے۔ کہ اُن معلّمین میں وہ محاسن بھی تھے۔ لیکن یہ غلطی ہے اور بڑی فاش غلطی ہے۔ اور یوں تو کسی قوم کی ادبی کتابیں اخلاق کے سبق سے خالی نہیں۔ ان کتابوں میں اخلاق کے بعض ایسے زرّین اصول ہوتے ہیں۔ کہ جو کسی پیغمبر یا خود خدا انجام انسان کے شایاں ہو سکتے ہیں۔ اِن کتابوں میں جو لکھا ہوتا ہے۔ اگر اِن کے مصنّفین کے اخلاق کی شہادت سمجھ لی جاوے تو پھر مجھے ڈر لگتا ہے۔ کہ ہمیں لارڈ بیکن کے اخلاق کے متعلق اپنے موجودہ محاکمہ کو بدلنا پڑیگا کسی معلّم اخلاق کو خواہ اُس کے دعاوی کیسے ہی الوہیّت کے رنگ

میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اُن اخلاق کو رکھنے کی عزت نہیں دینی چاہیئے۔ جو وہ اوروں کو تعلیم و تلقین کرتا ہے۔ جب تک کہ وہ خود اپنی مثال میں اپنے مواعظ کو عمل کا لباس نہ پہنا دے۔ اِس صداقت کو شاید مصنف انوار سہیلی کی طرح نہ کسی نے کم سمجھا ہوگا اور نہ عملی رنگ میں دُنیا پر ظاہر کیا ہوگا۔ انوار سہیلی فارسی علم ادب میں ایک اخلاق پر مشہور کتاب ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے جو اخلاق ناظرین کتاب کو تعلیم کرنے چاہے ہیں۔ اُن کو پرندوں اور جانوروں کے مُنہ میں ڈال دیا ہے۔ اور بات بھی سچ ہے۔ اگر کوئی معلم اپنی تعلیم کو خود عمل میں نہیں لاسکتا۔ تو پند پرند کا یا پند برلب میں کیا فرق ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اخلاق تو عمل کے ذریعہ ہی عمدہ طور پر سکھائے جا سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ ضرب المثل کے طور پر مثال کو وعظ پر ترجیح دی گئی ہے۔

اِس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ کہ ہر ایک انسان کی کوئی استعداد بعض حالات کے پیدا ہونے پر ہی متحقق ہو سکتی ہے۔ ایک انسان بڑا اخلاق کے سبق دے اور یہ بھی ممکن ہو۔ کہ اُس میں اُن تعلیم دادہ اخلاق کی استعداد بھی ہو۔ لیکن وہ ان اخلاق کا مدعی اسی وقت تک ہو سکتا ہے۔ کہ جب اُس کی زندگی میں کسی خاص خلق کے مناسب حال خاص حالات پیدا ہو گئے ہوں اور وہ خلق عملاً اُس سے ظاہر ہوں۔ مثلاً یسوع کا ایک شاندار حلم کے ساتھ

اسرائیلی ٹھٹھوں اور مذاقوں کو برداشت کرنا۔ اُس کا ایک حیرت بخش صبر کے ساتھ زندگی صعب ناک مصائب و ابتلا کو بطور ایک شہید صداقت اٹھانا۔ یہ واقعات ہیں جن سے یسوع صبر علم اور تحمل کا قابل رشک مالک سمجھا جاسکتا ہے۔ اور اگر یہ واقعات اُس کی زندگی میں پیدا نہ ہوتے۔ تو وہ ان نرم اخلاق کا ایک قصہ گو سمجھا جاتا۔ واقعی یہ ایک بڑی بھاری بدقسمتی ہے۔ اور اس پر جس قدر رنج کیا جائے تھوڑا ہے۔ کہ بعض حالات نے جن پہ افسوس ہے۔ کہ خداوند کو بھی قابو نہ تھا۔ خداوند کے ایام بعثت کو مختصر کر دیا۔ اور دنیا کے ہاتھ سے ایک شاندار موقعہ جاتا رہا۔ ممکن ہے بہت سے اخلاق الٰہیہ جو ممکن ہے کہ یسوع میں تھے عملاً ظہور پا لیتے۔ اور تو اور وُہ خاص صفت عفو جس کا اس قدر چرچا عیسائی علم ادب میں کیا جاتا ہے۔ وہ بھی یسوع کے ہاتھ سے کامل نمونہ کو نہ پہنچ سکا۔ بات یہ ہے کہ خلق عفو کا ظہور بھی اور خلقوں کی طرح خاص حالت کی موجودگی چاہتا ہے اور جب وہ حالات کسی میں موجود نہ ہوں انصاف اجازت نہیں دیتا۔ کہ کسی کو اس خلق کا مالک ظاہر کیا جاوے۔ اس شریف خلق کے حاصل کرنے کے لئے تین شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ اول تو تمہارے بعض دشمن ہوں جنہوں نے بے رحمی اور ظلم سے تمہارے ساتھ سلوک کیا ہو۔ دوسرا یہ کہ حالات کے بدلنے پر تمہارے دشمن تو مغلوب

ہوجاویں اور وہ دشمن تمہارے قابو میں آجاویں۔ اور سب سے آخر گو عظمت میں سب سے اوّل یہ کہ تم کو اپنے دشمن کو سزا دینے کی طاقت تو حاصل ہو لیکن تمہاری شریف فطرت تمہیں اُن کو معاف کر دینے پر طیار کر دے۔ صفت عفو کی طرح صفت رحم کا ظہور بھی اُسی سے ہو سکتا ہے۔ اور وہی اس خلق کا بھی مالک ہے جس کے آگے کوئی رحم کا ملتجی ہو کر آوے۔ اور جب تک کسی کو یہ مقدمات اور حیثیت حاصل نہ ہو جس کا جی چاہے رحم کے خطبے اور وعظ سنائے یہ خالی الفاظ ہی ہیں جو بے حقیقت ہیں علاوہ ازیں یہ تو ہمارا روزانہ تجربہ ہے۔ کہ جب کوئی شخص صاحب طاقت ہو۔ اور اس کا ظلم رسیدہ حالت مظلومیت اور ساتھ ہی بیچارگی میں ظاہر کر دے۔ کہ میں نے اپنے ظلم رسان کو معاف کیا تو یہ اظہار معافی صاحب طاقت اپنے لئے مہربانی نہیں بلکہ بے عزتی سمجھا کرتا ہے۔ ایسا عفو تو ہمیشہ حقارت سے دیکھا گیا ہے اور اس کی کبھی بھی قدر نہیں کی گئی۔

اس میں شک نہیں کہ یسوع نے عین صلیب پر اپنے تکلیف دینے والوں کے لئے عفو کی دعا مانگی۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر تو ہوتا ہے۔ کہ اس وقت اُس کے دل میں یہ کیفیت بھی تھی لیکن جو خیالات اور کلمات یسوع کے منہ سے اپنے دشمنوں کے حق میں حالت صلیب میں نکلے۔ وہی خیالات اور اُس قسم کے

کلمات دنیا کے دیگر مشاہیر نے بھی ہیچ قسم کے ماتحت کہے اور ظاہر کیے اور اِس معاملہ میں یسُوع میں کوئی خاص یکتائی نہیں بہر حال صفت عفو کا ظہور یسوع کی زندگی میں حقیقت کو نہ پہنچ سکا۔ اِس خلق کے تین شرایط مذکورہ بالا میں صرف پہلی یسُوع کی زندگی میں نظر آتی ہے۔ لیکن باقی دو شرایط موجود نہیں۔ یہ صفت اور چھ سو برس تک پردہ کتم میں رہی۔ جب اِس خلق نے اپنے ظہور کا حقیقی موقعہ اور محل نبی عرب صلعم کے زمانہ میں پایا۔ جبکہ خداوند دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ بیت عتیق کے دروازوں پر محمدؐ کی شکل میں پہنچا۔ قدیمی نوشتے پورے ہوئے۔ اور مکّہ فتح ہوا۔ جس کے فتح کرنے میں ایک قطرہ خون سے بھی زمین مکّہ ملوث نہ ہوئی اور یہ ایک واقعہ ہے۔ جو کل دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہی ہے مکّہ میں دشمنان پیغمبرؐ اُسے اور اُس کے متبعین کو برابر تیرہ برس تک اِس قسم کے وسیع سلسلہ مظالم کا زیر مشق کرتے رہے۔ کہ جو اپنی کیفیت اور کمیت میں دوسروں کی زندگی کے صعب ناک ابتلا سے بھی بڑھ گئے۔ آخر کار دشمنان پیغمبرؐ نے نیچا دیکھا۔ اور وہ سب کے سب اُسی کے رحم پر چھوڑے گئے جو مدتوں اُن کے مظالم کا نشانہ رہا تھا۔ یہ ظالم ہر ایک ایسی سزا کے بھی مستحق تھے۔ جو انسانی وہم یا دماغ تصور میں لا سکتا تھا۔ اور اُن کو اِس قسم کی سزا دنیا میں عدالت گستری اور انصاف شعاری تھی۔ محمدؐ بھی اگر اپنے دشمنوں کو رنج پہنچانے پر یا کرشن

یا یوشع کی طرح سزا دینا جیسے ان بزرگوں نے اپنے دشمنوں پر غلبہ پا کر دی تو بالکل حق بجانب ہوتا لیکن وہ خلق عفو جس کو ابن اللہ بھی اپنے وجود میں ظاہر نہ کر سکا۔ (کیونکہ خداوند کا قابو بعض خاص حالات پر نہ رہا۔ جنہوں نے خداوند کے مشن کو جلد ختم کر دیا) اپنا ظہور چاہتا تھا اور اگر محمد صلعم کے ہاتھ سے اس کا ظہور نہ ہوتا۔ تو ممکن ہے۔ کہ ہمیشہ کے لئے وہ پردہ کتمان میں رہتا۔ خدا کی طرف سے مختلف اوقات میں مختلف انبیاء آئے اور اس کے بعض اخلاق اُن انبیاء کے ذریعہ ظہور میں آتے رہے حضرت محمد خاتم النبیین تھے اور ضرور تھا۔ کہ وہ تمام اخلاق الٰہیہ جنہوں نے انسان میں نشوونما پایا تھا۔ اور جن کے ظہور کے مناسب اور ضروری مواقع انبیاء سابقہ میں پیدا نہ ہوئے تھے۔ وہ آپ کی زندگی میں اپنا کامل ظہور دیکھیں۔ اُن اخلاق میں ایک خلق۔ خلق عفو تھا۔ اس کا خاص موقعہ و محل تھا۔ وہ خاص محل و موقع یسوع کی زندگی میں تو پیدا نہ ہوا اور اگر بعض اکابرین کی زندگی میں پیدا ہوا۔ تو انہوں نے اس موقع و محل کو استعمال نہ کیا۔ اور خلق عفو ظہور کے بغیر رہا۔ ہاں آنحضرت صلعم کی زندگی میں وہ کیا بموقعہ پیدا ہو گیا۔ اور آپ نے اسے بوجہ احسن استعمال کیا۔ آپ کے دشمن جو بالکل مغلوب و خوار ہو گئے تھے۔ آپ نے اس سلوک کے لائق ہو گئے جو کریم النفس انسان اپنے دشمنوں سے کیا کرتے ہیں۔ یہ اصل کچھ ایسی

برمحل تھی۔ اور اُس کا مخاطب بھی وہی تھا جس کے یہ شایاں تھی۔ کہ فوراً ہی منظور ہو گئی +

یہاں تک تو میں نے اُن نرم اور ملائم اخلاق کے متعلق کچھ کہا ہے جس کے متعلق ادعا کیا جاتا ہے۔ کہ یسوع میں موجود تھے۔ لیکن انکے علاوہ اور تیز اور مضبوط اخلاق بھی تو ہیں جو الٰہی اخلاق کا رنگ بھی اپنے اندر رکھتے ہیں۔ لیکن جنہوں نے مریم بتول کے بچّہ میں اپنا ظہور نہ دیکھا۔ یہی وہ گرم اخلاق ہیں۔ کہ جو مہذب حالت میں انسانی سوسائٹی کی راحت کے لئے ازبس ضروری ہیں۔ مثلاً غضب۔ نفرت اور ان دو پر میں خلق انتقام بھی ایزاد کرتا ہوں۔ یہ سب کے سب جان اور مال کی حفاظت اور امن کے لئے ضروری ہیں۔ اور ان کو حیوانی یا ادنیٰ جذبات کے نام سے موسوم کرنا غلطی ہے۔ ان کے صحیح استعمال کا بھی محل و موقعہ۔ ہاں انکو بُرے طور سے جب استعمال کیا جاوے۔ تو پھر یہ ادنےٰ جذبات ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ اخلاق اس گنگ زبان صحیفہ قدرت میں نظر نہیں آتے اور میرے نزدیک تو اخلاق الٰہیہ کی بہترین فہرست یہ صحیفۂ قدرت ہے ان مذکورہ بالا اخلاق کا بطور اخلاق الٰہیہ ذکر خود بائبل میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں ان جذبات کو خدا نے انسان میں پیدا کر رکھا ہے۔ کیا غضب اور نفرت امور حقیقی نہیں کیا ان دو جذبات کا اثر گہرا۔ انسانی معاملات و کاروبار پر نہیں پڑ رہا اور اگر انسان خدا کی تصویر پر پیدا کیا گیا ہے۔ تو ہم کو یہ قیاس کر لینے کا حق ہے۔ کہ جو اخلاق اور جذبات ہم انسان میں پاتے ہیں۔ یہ خدا تعالےٰ

کے اپنے اپنے اخلاق اور جذبات ہیں۔ لہذا یہ گرم اور تیز جذبات واخلاق بالضرور اخلاق الٰہیہ ہیں۔ اور ایسے نہیں کہ ہم ان کو نظر انداز کریں۔ لاریب اِن جذبات کی تعدیل اور تہذیب ضروری ہے اور ہم جو اُن اکابرین کی زندگی کی طرف جن میں کہا جاتا ہے۔ کہ خدا ظاہر ہوا۔ نگاہ اٹھاتے ہیں۔ اور انہیں اسوہ بنانا چاہتے ہیں۔ تو صرف اس لئے۔ کہ ہم دیکھ لیں کہ اُن اکابرین نے ان جذبات کو کسطرح اور کس محل و موقعہ پر استعمال کیا۔ اگر ان اخلاق کو جنکا ہمیں خطبہ کوہ زیتون میں سبق دیا گیا ہے۔ اختیار کر لیا جاوے تو کیا وہ اِن تیز اور گرم جذبات کی ہلاکت کیلئے کافی نہیں۔ حالانکہ یہ وہ جذبات ہیں۔ کہ جنکو میں ربّانی جذبات کہتا ہوں اور وہ فی الواقعہ اخلاق الٰہیہ میں سے ہیں۔ خطبہ مذکور پر چلنا گویا جان اور مال کو غیر مامون کرنا ہے مجھے کچھ تامل سا ہے۔ کہ شاید یہ تعلیم خطبہ کچھ ایسی علوشان اپنے اندر رکھتی ہے۔ کہ اسکو عمل میں لانا اب محالات سے ہے۔ اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ قیامت کے دن تک یہ تعلیم ایسی ہی ناقابل عمل رہیگی۔ لیکن کیا ان حالات کے ماتحت پھر بھی معلم خطبہ مذکور ایک کامل اسوہ انسان۔ اور مکمل مظہر اخلاق الٰہیہ ہونے کا مدعی ہو سکتا ہے۔ اور اگر کوئی اُسے مدعی سمجھتا ہے تو کیا اُس کا یہ دعوے۔ دعوے جایز ہے۔ میں نے تو ارادتاً یہاں اس لئے ان دو جذبات مذکورہ بالا کا ذکر کیا ہے۔ کہ خطبہ پیار کی تعلیم پر چلنے سے ان جذبات کا تو عدم وجود برابر ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس خطبہ کا معلم خود بھی بعض مواقع پر ان دو جذبات کو استعمال کرنے سے رُک نہیں سکا۔ والا ان کے واخلاق

علاوہ اور بے تعداد انسانی اور ربّانی اخلاق ہیں جن کے متعلق اگر میں نہایت ہی نرم اور رعایت کا پہلو اختیار کروں تو یہ کہونگا کہ یہ اخلاق پیغمبر ناصری کی زندگی میں اندر کے اندر ہی رہے۔ اور اپنا ظہور نہ پا سکے۔ لہذا ان حالات کے ماتحت ہمیں۔ الفاظ ذیل کی تائید میں حکیم رینان کا ہم آواز ہونے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ کہ مذہب نے اس انسان (یسوع) کو انسانیت کا کامل مظہر اور رہنما اگر چنا ہے۔ تو کوئی بُرا انتخاب نہیں کیا۔ حکیم رینان اپنی تمام معقول پسند اور آزاد طبیعت و تعلیم کے ساتھ اپنی ابتدائی خوکردہ عصبیت و میلان کا دراصل مقابلہ نہ کر سکا۔ و الّا یہ جو اُس نے کہا یہ کسی خوض و فکر کا نتیجہ معلوم نہیں ہوتا۔ اُسے یہ تو سمجھ لینا چاہیئے تھا۔ کہ انسانی سوسایٹی کی ساخت اور اُس کے ڈھانچ کو مضبوط کرنے کے لئے انسانی زندگی کی بہت سی ضروری شاخیں اور بھی ہیں۔ اور یسوع اُن شاخوں میں کسی کا رہنما نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک بادشاہ جو تخت پر ہے ایک جج جو کرسی عدالت پر بیٹھا ہوا ہے۔ ایک مدبر سلطنت جو امور ملک میں منہمک ہے۔ ایک جرنیل جو میدان جنگ میں موجود ہے۔ کیا جس طرح انسانی سوسایٹی کے لئے ایک معلم اخلاق کی ضرورت ہے۔ ویسے ہی اِن چار وجودوں کی ضرورت نہیں اور خدا نے بھی آخر کوئی نادانی کا اور غیر ضروری فعل تو نہیں کیا۔ اگر اسرائیل کے

خاندان میں داؤدؑ سلیمانؑ ۔ یوسفؑ اور یوشعؑ جیسے نبی پیدا کئے
کیونکہ یہ بزرگ فرداً فرداً بادشاہ ۔ جج ۔ مدبّر سلطنت اور فوجی
جرنیل تھے ۔ لیکن یہ تو آخر انسان تھے ۔ اور بقول عیسائیان
اُن سے صرف غلطیاں ہی نہیں بلکہ بعض گناہ بھی سرزد ہوئے
لیکن اگر خدائے تعالےٰ کو ضرورت ہی تھی ۔ کہ انسان کی شکل میں
انسانیت کا کامل مظہر و رہنما ہو کر آوے ۔ تو وہ شاید انسانی
سوسایٹی کے لئے کہیں زیادہ مفید ثابت ہوتا ۔ اگر وہ بادشاہ
یا مدبّر سلطنت ہو کر آتا ۔ اور نہیں تو کم از کم یورپ کے عیسائی
بادشاہوں اور عیسائی مدبّران سلطنت کی ہدایت کے لئے
عملاً بعض قواعد ہی چھوڑ جاتا ۔ اور دنیا شاید جلدی ربانی سلطنت
کے دن دیکھ لیتی کیونکہ دنیا کو یورپ کی اِس آز و حرص اور اپنے
اقتدار کے لئے دوسروں کو تباہ کر دینے کی عادت سے نجات
ہو جاتی بشپ معظم پوپ روما کو اور ایسا ہی شاہ عمانوئیل کو
تو شہزادہ سلامتی کی بجائے کسی ایسے خدا کی ضرورت تھی ۔ جو کسی
جرنیل کے وجود میں آتا ۔ تاکہ ان بے ضرورت مہمات طرابلس
میں وہ اُن کی رہنمائی کرتا ۔ اُن کو وہ جنگ کے اخلاق سکھلاتا
شاید اُس کا اپنا عملی نمونہ اور اُس کے حربی وصایا اٹلی کی ظالمانہ
بے رحمیوں کے لئے جو طرابلس میں ظہور پذیر ہوئی ہیں ۔ زیادہ
نزروک کا باعث ہوتے ۔ کیونکہ ہیگ کی کانفرنس کے

اصول تو آخر کوئی روک کا موجب نہ ہو سکے۔ ہم کو بالمقابل بتلایا جاتا ہے۔ کہ خداوند آخری ایام میں بادشاہ کے وجود میں ظاہر ہوگا۔ جب مظلوم اپنا انصاف پاویں گے۔ اور تمام ظلم دُور کئے جاویں گے۔ لیکن اگر اُس کی آمد ثانی دنیا کے خاتمہ کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر۔ انسانیت کے کامل رہنما و مظہر کی ضرورت بھی تو اس وقت ختم ہو رہیگی۔ بے شک یہ کہا جا سکتا ہے کہ اِس کی سلطنت دنیا کی سلطنت نہیں۔ اور نہ اُس نے اپنے نوکروں کو اجازت دی کہ یہودیوں سے لڑیں اور اُن کو اُسے گرفتار نہ کرنے دیں (یوحنا ۱۸/۳۶) لیکن اگر دنیا کا تمدّن اور اُس کی مدنی مصالح کسی نہ کسی قسم کی سلطنت کے متقاضی ہیں۔ اگر انسانوں کے فیمابین ذمہ واریوں اور حقوق کا نفاذ جو بہبودی عامہ کی جڑھ ہے۔ حکومت کی کوئی نہ کوئی شکل چاہتا ہے۔ اور اگر انسان جونہی ابتداء سے ابتدائی نیچر کی حالت سے نکلتے ہی ذاتی جایداد کے خیال کا احساس اپنے سینہ میں موجزن پاتا ہے۔ اور ساتھ اس کے اپنی جان اور جائداد کی حفاظت کے لئے ایک نہ ایک پولٹیکل ناظمانہ وجود کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ خواہ وہ کیسی ہی ابتدائی شکل میں ہو۔ اور اگر انگلستان کے تمدّن کے لئے ضروری سمجھا گیا ہے۔ کہ قدیمی وٹن ایجوموٹ کو موجودہ پارلیمنٹ کی صورت دی جاوے۔ تو پھر ہم جیسے کہ رینان کہتا ہے انسانیت

کے کامل رہنما اور مظہر کے لئے کوہ زیتون کی طرف دیکھیں یا کوہ فاران کی طرف نگاہ کریں۔ جہاں ہمیں پیغمبرؐ کے وجود میں ایک ہی وقت بادشاہ مدبر سلطنت۔ مقنن۔ جج اور فوج کا جرنیل نظر آتا ہے +

اگر ان واقعات پر جو ان صفحات میں ذکر کئے گئے ہیں حکیم ریتان کی تصنیف پڑھنے والا ٹھنڈے اور تعصب سے معرّا دل کے ساتھ غور کرے تو مجھے یقین ہے۔ کہ وہ یہ مان لیگا۔ کہ حکیم موصوف کا زیر بحث ریمارک وسعت نظر پر مبنی نہ تھا یسوع اپنے اقرار کے مطابق انسانی زندگی کے اعلےٰ طبقات کے لئے نمونہ بن کر ہرگز نہیں آیا۔ لیکن کیا وہ معمولی طبقات زندگی کے رویہ میں ہماری مدد کرسکتا ہے؟ اگر ہم اپنی زندگی کے اشغال کی تقسیم کریں تو کیا معاملات خانہ داری زندگی کا بھاری اور ضروری حصہ نہیں۔ کیا ان ایام میں ہمارے بہت سے گھر بدمزگی۔ مصیبت۔ پریشانی اور اختلاف کا منظر نہیں۔ اور کیا یہ قابل افسوس حالت اُن شیریں تعلقات کے نہ ہونیکے باعث نہیں جو عورت خاوند میں ہونے چاہئیں۔ اور جن شیریں تعلقات کے باعث عقد زوجیت ایک بہشتی گرہ ہو جاتی ہے۔ کیا لفظ ”گھر“ پیاری سے پیاری اور خوش کن سے خوش کن یادوں کا خزانہ نہیں جو بدقسمتی سے ہمارے ایام میں مفقود ہو جاتی ہیں کیا عورت مرد کی معین و مددگار نہیں بنائی گئی۔ کیا مرد اور عورت۔ زن و شوہر بننے

کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔ اور کیا اِن کے باہمی تعلقات کے اچھے یا بُرے ہونے پر ایک گھر بہشت یا دوزخ نہیں بنجاتا۔ اب اگر یہ امور کچھ حقیقت رکھتے ہیں اور یہی بہت حد تک ہماری خوشحالی یا تکلیف کے ذمہ دار ہیں۔ تو کیا ہم کو ایسے رہنما کی ضرورت نہیں جو ہمیں روزانہ معاملات خانہ داری میں رہنمائی کرے۔ واقعی یہ ایک بھاری بدقسمتی ہے کہ یسوع نے عنصر الوہیت لئے اُسے اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ اِس دنیا میں کسی عورت کے ساتھ بطور زن وشوہر ارضی تعلّق قایم کر لیتا۔ اور ہم پھر مجبور ہو کر کسی اور سمت ہی نگاہ اٹھاتے ہیں۔ جہاں ہمیں ان معاملات کے لئے کوئی پیر انسانیت کا کامل رہنما ملے۔ بیشک یسوع کی ایک والدہ تو تھی۔ لیکن پھر ماں بیٹے کے تعلّقات میں وہی عنصر الوہیت مصیبت ڈالتا ہے۔ اور ایک عیسائی گھر میں ایک بیٹے کو گھر میں کے اخلاق سیکھنے کے لئے یشوع سے کچھ بہتر نہیں آتا۔ مقدّس کنواری تو اپنے ربانی بیٹے کو دیکھ کر۔ کہ وہ جب اُسے مخاطب کرتا ہے تو عورت کہکر ہی خطاب کرتا ہے۔ شاید اس لئے اطمینان قلب حاصل کر لیتی ہوگی۔ کہ وہ اپنے میں اور بیٹے میں فرق پاتی ہوگی۔ لیکن ایک معمولی انگلستان کی عورت تو شاید اپنے بیٹے کے لئے یہ پسند نہ کرے اور یہی چاہے کہ اس کا بیٹا کسی اور طریق پر اُسے خطاب کیا کرے +

الغرض جس قدر اس سوال پر غور کیا جاوے اُسی قدر رینان کا مقولہ زیر بحث مجھے صحیح نظر نہیں آتا۔ جس اخلاق کی تعلیم مسیح نے پہاڑی خطبہ میں کی اُس پر چلنا تو اُس کے پہلے شاگردوں نے بھی نہ چاہا اور اب بھی جہاں تک الفاظ کے اندر اخلاق کی تعلیم ہو سکتی ہے۔ وہ تعلیم لفظاً تو ایک بہترین نمونہ ہیں۔ لیکن دنیا دو ہزار برس اور بوڑھی ہو گئی۔ مگر آج تک اس تعلیم کو عمل میں لانے کا راستہ دنیا کو نظر نہ آیا۔ اس وقت بھی کلیسیا کے سرگرم سے سرگرم ممبر اور دنیا کو عیسائی بنانے کی مہم کے زبردست ارکین اپنے آپ کو ان اخلاق پر چلانے کے ناقابل پاتے ہیں۔ اور صرف اس وقت کو دیکھ رہے ہیں۔ جب آمد ثانی پر خداوند کی سلطنت قائم ہو جاوے گی۔ جب محبّت۔ امن اور آشتی پھیل جاوے گی۔ اور انسان اس تمام مضبوط اور تیز مگر مردانہ اوصاف سے اختہ ہو کر خود ہی اس قابل ہو جاوے گا کہ اس تعلیم پر عمل کرے۔ مگر جبتک وہ وقت نہ آوے یہ تعلیم ایک مردہ قانون ہے۔ اگر اسے عالمگیر قانون بنایا جاوے اور خصوصاً عیسائی ممالک میں شاید ہمالہ کی برفانی چٹانوں میں کوئی قدیمی رشی اس تعلیم کا قدردان مل جاوے تو مل جاوے۔ لیکن مغرب میں تو ممکن نہیں کہ ایسا کوئی میسّر آوے اور دقت یہ ہے کہ یسوع کی اصلی منش کو لوگوں نے سمجھا ہی نہیں اور نہ کوئی اس مدعا پر غور کرتا ہے۔ جس کے لئے اُسے

اخلاق کے یہ سخت اصول سکھانے پڑے ۔ میرے نزدیک اگر یسوع کو اُس کی اصلی حیثیت میں دیکھا جاوے ۔ اور یہ وہ حیثیت ہے کہ جس کا وہ خود معترف اور مدعی ہے اور اُس کی ذات کو کلیسائی عقاید کے جھلملاتے ہوئے پولوسی لباسوں سے معرّا کر دیا جاوے تو یسوع صاحب خود اپنی اس بے معنی متناقض حیثیت سے نجات پا جاتے ہیں ۔ اور اُن کی تعلیم کی ناممکن التعمیل حقیقت خود بخود عیاں ہو جاتی ہے ۔ پھر وہ اپنی اصلی حالت میں جلوہ گر ہوتے ہیں ؛

مسیح ایک نبی تھے جو اسرائیلی گھرانے کی اصلاح کے لئے آئے تھے ۔ اُس گھر کی بکھری ہوئی بھیڑوں کو ایک جا جمع کرنا اُن کا اصلی منصب تھا ۔ اسرائیلیوں کی تہذیب نفس ۔ اور اُن فریبی علماء کے علم کی پردہ دری کرنا اُن کا مقصد تھا ۔ جو موسوی شریعت کے سمجھنے اور بیان کرنے والے ہمہ داں اپنے آپ کو ظاہر کرتے تھے ۔ موسوی شریعت ایک قسم کی شریعت انتقام تھی ۔ جس کو انہوں نے بُری طرح استعمال کر رکھا تھا ۔ اور جناب مسیح اُس شریعت کا مغز بتلانے کے لئے تشریف لائے تھے ۔ آپ نے یہودیوں کو شریعت انتقام کا محل و موقعہ بتایا ۔ اور اس طرح شریعت کو توڑا نہیں بلکہ پورا کیا ؛

پیغمبر مسیح کی حقیقی چہرہ نمائی کے لئے مجھے شاید زیادہ وضاحت

کی ضرورت ہے۔ اور اس وضاحت کے لئے مجھے ان حالات کا بھی ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو شریعت موسوی کو وجود میں لانے کا باعث ہوئے۔ غلامی کے نیچے بنی اسرائیل نہ صرف جسمانی بلکہ اخلاقی نجات کی بھی ضرورت رکھتے تھے پشتہا پشت کی غلامی نے اُن کے تمام اخلاق ہلاک کر چھوڑے تھے وہ بالکل کمینہ صفت۔ مایوسی کا پُتلا اور بزدلی کی تصویر تھے۔ بحیرہ قلزم (یا رود نیل) کے عبور کرنے نے اُنہیں مصری فرعونوں کی غلامی سے تو آزاد کر دیا۔ لیکن اُن کا یہ فعل اُنہیں غلامانہ عادات کی غلامی سے آزاد نہیں کر سکتا تھا۔ اُن کی اس نجات کے لئے قانون انتقام کی ضرورت تھی بد آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت ہی ایک طریق زندگی تھا۔ جو مردہ اور مُرجھائے ہوئے جوش کے رُوح کی نجات کی موجب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ یہ قانون انہیں تعلیم کیا گیا اور مفید ثابت ہوا۔ اُس قانون کی طفیل غلامی کے فرزند ہی چند نسلوں میں فاتح اور حکمران بن گئے" پھر ایک وقت آیا اور اس قانون کی بد استعمالی شروع ہو گئی۔ وہ لوگ حقیقت شریعت سے الگ ہو کر الفاظ پرست بن گئے انہوں نے مغز چھوڑ کر پوست پر زور دیا۔ وہ قانون انتقام کی لفظی پابندی پر اس قدر مصر ہوئے۔ کہ ایک مدت کے بعد وہ خود انتقام کا مجسمہ بن گئے۔ ایک وقت ان میں غلامانہ حلم تھا۔ اور اب وہ مجسم غضب

ہو گئے۔ جب اُن کی نفرت مشتعل ہوتی تو پھر اُس کا کوئی اندازہ اور پیمانہ نہ رہتا تھا۔ اِس طرح وہ اخلاقاً گر گئے۔ اور اِس کے ساتھ ہی اُنہوں نے دنیوی زوال بھی دیکھ لیا۔ اُن پر غیر اقوام حاکم ہو گئیں وہ پھر روئے اور دست بدعا ہوئے۔ اور غیروں کی حکومت سے نجات کے خواستگار ہوئے۔ اُن کو پھر ایک نجات دہندہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہوواہ کی جناب میں وہ اپنے انبیاء کے ذریعہ ملتجی ہوئے اور ایک منجی کا انہیں وعدہ ملا۔ مسیح موعود آگیا۔ اور اُن کی نجات کی کلید بھی لایا۔ لیکن اُنہوں نے اُس کے مشن کی حقیقت نہ سمجھی۔ اُن کی گذشتہ تاریخ اُن کے لئے ایک عمدہ سبق تھی۔ لیکن وہ خود غرضی اور نفس پرستی میں کچھ ایسے منہمک تھے۔ کہ وہ گذشتہ حالات سے سبق آموز نہ ہوئے۔ اُنکو سمجھنا چاہئے تھا۔ کہ اگر ان کی نجات اولے شریعت کی اطاعت پر ہی منحصر تھی۔ تو ان کی نجات ثانی بھی شریعت کی پابندی پر ہی بنی تھی اگر اُن کو غلامانہ عادت سے نکالنے کے لئے شریعت انتقام کی ضرورت تھی۔ اور یہ حالت اُن کے فاتح اور حکمران ہونے کے لئے بطور مقدمہ تھی۔ تو اب وہ چونکہ غضب و نفرت کی غلامی میں تھے۔ تو اس حالت سے نجات دینے کے لئے انہیں شریعت رحم کی ازبس حاجت تھی۔ اور یہ امر بھی ضروری تھا پیشتر ازیں کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی حیثیت کو پھر حاصل کرلیں اسرائیلی

گھرانے کے منجی نے نہ صرف اُن کی نبض شناسی ہی کی۔ بلکہ اُن کے مرض کے لئے اُس نے صحیح دوائی بھی تجویز کی۔ جب اُس نے کہا۔ تم نے تو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔ کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن میں تم کو کہتا ہوں۔ کہ بدی کا مقابلہ نہ کرو۔ اور جو تمہاری داہنی گال پر طمانچہ مارے۔ اُسکے آگے بائیں گال بھی پھیر دو۔ اور اگر کوئی آدمی تمہیں عدالت میں کھینچ اور تمہارا کوٹ لے جاوے تو تم اپنا جبہ بھی اُس کو دیدو۔ اور جو تمہیں ایک میل لے جانا چاہے اُس کے ہمراہ دو میل چلے جاؤ یہ تعلیم دنیا نے بیشک ناممکن التعمیل سمجھی۔ دنیا کا تمدّن اور اس کی عامہ بہبودی خواہ اس تعلیم کے مناسب حال نہ ہو۔ لیکن یہی نئی انجیل تھی۔ اور اسی میں ان کی نجات تھی جو نفرت اور غضب کے غلام تھے۔ یہی شریعت رحم جو کوہ زیتون سے آئی۔ نئی بشارت اور نیا عہد تھا اور نہ کہ وہ مفروضہ عقاید جو پولوس نے بعد میں تلقین کئے۔ اس شریعت پر کامل ایمان اور اس پر عمل پراگندہ گھرانے کی نجات کا موجب ہو جاتا۔ نہ کہ اس کے معلّم کا خون جو اس تعلیم کے لئے شہادت تک پہنچا۔ لیکن "اپنے دشمنوں سے نفرت کرو،" جن کا شعار ہو۔ اُن کو جو تعلیم دے کہ وہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو۔ اُن کے لئے برکت ڈھونڈو۔ اُن پر لعنت نہ کرو اُن سے نیکی کرو جو تم سے نفرت کرتے ہیں" اُسے وہ کب قبول کرنے

کہ وہ تخت داؤد کا وارث ہو کر اُن کی کھوئی عظمت واپس لاوے گا +

افسوس تو یہ ہے کہ یسوع۔ دوست دشمن دونوں کی طرف سے بدقسمت رہا کسی نے بھی اس عہد کو نہ سمجھا جس کی تجدید اُس نے کی۔ دونوں ہی سلطنت کے خواہاں رہے۔ آخر الذکر جب مایوس ہو گئے تو اُس کے جانی دشمن بن گئے۔ اور انہوں نے اُس کا پیچھا اُسی وقت چھوڑا۔ جب اُسے صلیب پر دیکھا اول الذکر کسی قدر زیادہ امیدیں رکھتے تھے۔ وہ آخری دم تک اُس وقت کو دیکھتے رہے جب اُن کے بیٹے خداوند کے ساتھ تخت سلطنت پر بیٹھینگے۔ لیکن نہ دوست نہ دشمن کسی نے اُسکی تعلیم کو نہ سمجھا۔ یسوع خود شریعت اور عمل شریعت پر مضبوط ایمان رکھتا تھا۔ وہ یہ یقین رکھتا تھا۔ کہ دنیا اور دنیا کی سلطنت اُنکے پیچھے جایا کرتی ہے۔ جو اعلےٰ اخلاق رکھتے اور جذبات پر قابو پانا جانتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا۔ کہ کوئی قوم جو دوسری قوم پر غالب آخرکار آجاتی ہے۔ تو حربی تعلیم اور حربی آلات کے رکھنے سے نہیں بلکہ خاص قسم کے اخلاق پیدا کرنے اور ان کی تربیت سے یہ امر حاصل ہو جایا کرتا ہے۔ اور وہ خوب سمجھتا تھا۔ کہ مطلوبہ اخلاق و کردار خاص شرائع پر ایمان رکھنے۔ اور اس پر عمل کرنے سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔ بالمقابل جن اسرائیلیوں

کے اُبھارنے کیلئے وہ آیا تھا۔ اُن کی کمزوریوں اور نقصوں سے وہ آگاہ تھا۔ اور جو شریعت ان اغراض کے لیئے اُس پہ نازل ہوئی وہ وہ تھی جس کا انکشاف اُس کے خطبہ کوہ زیتون میں ہوا۔ یہی وہ نئی انجیل تھی۔ اور یہی وہ نیا عہد نامہ تھا۔ جس میں کھوئے ہوئے گھرانے کی نجات تھی۔ اور جس کے قایم کرنے کے لیئے وہ صلیب تک پہنچا نہ کہ اس کے شہید ہونے پر جیسے کہ بعد میں یقین کیا گیا۔ اس تجدید دادہ شریعت پر اُس قوم کی نجات تھی۔ لیکن قوم نے قبول نہ کیا۔ اور ایسی گری کہ ہمیشہ کے لیئے پھر اُبھر نہ سکی +

بدقسمتی سے یسوع کی اصلی حیثیت اور اُس کی تعلیم کی حقیقت جو ایک ایسے دل کے لیئے جو ابتدائی تعصبات سے معرا ہے تو بالکل صاف ہے۔ لیکن اُس کے پیروؤں کے لیئے ہمیشہ ایک راز سربستہ رہی ہے۔ یسوع کو اگر آپ بطور ایک نبی یا معلّم یا خدا کا مقدّس رسول تسلیم کریں۔ جو پراگندہ بھیڑوں کو جمع کرنے آیا۔ اور اُس گھرانے کو اُس کی کھوئی ہوئی عظمت واپس دلانے کے لیئے آیا جو مغضوب الٰہی تھا۔ اور اس غرض کے لیئے اُس نے انہیں وہ اخلاق تعلیم کیئے جو مکان و زمان کی موجودہ ضروریات کے مناسب حال تھے۔ تو یہ سارے کا سارا راز سربستہ کھل جاتا ہے۔ اور ہر ایک کے دل میں اُس کی وہ عزت اور عظمت پیدا

ہو جاتی ہے جو دنیا کے ایک عظیم الشان معلم اور صداقت کے شہید کی ہونی چاہیئے۔ لیکن اسے اگر خدا سمجھ کر دیکھا جاوے تو پھر انجیل مشکلات کا سامنا ہے۔ اس کی تعلیم کو آپ اُن واقعات کی روشنی میں پڑھیں جو میں نے اوپر بیان کئے ہیں تو وہ جو محال اور ناممکن التعمیل امر نظر آتا ہے۔ وہ ممکن اور ضرورت حقہ اور زمانی مکانی اور مخاطب قوم کی ضروریات کے مناسب حال امر ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا کہ چونکہ یہ تعلیم عامتہ الناس کے لئے ناممکن التعمیل ہے اور آج کل کے دل و دماغ اسے قابل توجہ نہیں سمجھتے۔ اس لئے ضرور ہے کہ الوہیت کے عنصر یہ اپنے اندر رکھتی ہو گی۔ ایسا خیال کر لینا تو صرف تدوین و وضع قانون کے اصول۔ اُن کی ترقی اور اُن کی ارتقائی حقیقت سے عدم واقفیت کا اظہار ہے۔

یسوع کے اخلاق کے دو پہلوؤں یعنی ربانی اور انسانی پہلوؤں میں سے انسانی پہلو پر ضروری حدود کے متقاضی میں نے بحث کر دی ہے۔ لیکن دوسرے عنوان پر ابھی مجھے بہت کچھ کہنا باقی ہے۔ مسیح کی آمد سے پہلے بھی خدا اور خدا کی صفات کے مفہوم سے دنیا خالی نہ تھی۔ اور یہ مفہوم دو طریق پر دنیا کو حاصل ہو چکا تھا۔ بذریعہ الہام الہٰی۔ اور بذریعہ صحیفۂ قدرت اور ان ہر دو شہادتوں سے دنیا نے قادر مطلق خدا کو کل طاقتوں اور قدرتوں کا مالک خدا

سمجھا ہوا تھا۔ دنیا کا ایمان تھا۔ کہ خدا مغلوب و مفتوح نہیں بلکہ فاتح اور غالب ہوا کرتا ہے۔ وہ اپنے دشمنوں سے ہلاک نہیں ہوتا۔ بلکہ اُن کا ہلاک کرنے والا ہوتا ہے۔ لیکن مشکل تو یہ پڑی ہے کہ ہمیں جو کچھ مریم کے بیٹے میں نظر آتا ہے اُس سے ہمارے مدتوں سے دلوں میں جاگزین علوم تبرت والے اُس خیال کو سخت صدمہ پہنچتا ہے جو ہم نے خدا کی حیثیت کا قائم کر رکھا ہے۔ خدا خود انسان کی شکل میں آوے۔ اور یہودی اُسے گرفتار کریں اور باندھیں۔ کل کائنات کا مالک خدا۔ اور یہودیوں سے چھپتا پھرے۔ اور جب کبھی اپنی جان کے برخلاف یہودی منصوبہ سے واقف ہو۔ خایف اور ہراساں ہو جاوے۔ حالانکہ یہ وہ جان ہے جس کو وہ بخوشی خود قربان کرنے کے لئے آیا تھا اُس کو دھتکاریں اور گالیاں دی جاویں۔ غلیظ مذاق اور دلخراش ٹھٹھوں کا زیر مشق بنایا جاوے۔ اور گو اُسے انکار ہی ہو لیکن منشاء کے خلاف موت کا پیالہ پینے پر مجبور کیا جاوے۔ کیا وہ یہودی منصوبہ سے واقف ہو کر جان چھپاتا نہ تھا۔ ہاں بیشک یشوع میں انسانی جوہر تھا۔ شاید یہ خوف اس لئے ہو گا لیکن جب وہ پھر جی اٹھا تھا۔ اور جس موت کا خطرہ تھا اُس پر وہ غالب آچکا تھا۔ اور آسمانی زندگی پا چکا تھا۔ تو پھر کیا وجہ رہی تھی۔ کہ وہ جان چھپاتا پھرا اور ڈرتا رہا۔ یہ چند ایک باتیں ہیں جو ایک

مشرقی دل و دماغ کو خدا کے متعلق نہیں سمجھ آسکتیں۔ پر تاہم
اِن امور کی ایک توجیہ تو ہو سکتی ہے۔ خدا کے اخلاق میں سے
ایک خلق صبر بھی ہے۔ اس کا اظہار ہونا ضروری تھا۔ اور
خداوند میں اس خلق صبر نے کامل طور پر ظہور پایا ہیں اس
بات کو تو ماننا ہوں کہ خدا ضرور صبور ہے۔ ہمیں دنیا میں الٰہی حلم
ضرور نظر آتا ہے۔ جب بعض وقت شرارت غلبہ پاتی نظر آتی
ہے۔ گناہ مستولی ہو جاتا ہے۔ اور بدی حکومت کرنے لگ
جاتی ہے۔ لیکن ہمیں ساتھ ہی خدا کا ہاتھ بھی نظر آجاتا ہے۔
جب آخرکار بدی اور شرارت کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ یہ
تو اس آخری غلبہ الٰہیہ کی بنا پر ہے۔ کہ جس سے پہلے گناہ اور
بدی کے مقابل ماسبق خاموشی ایک مدبرانہ صبر نظر آتی ہے۔
اور ربانی روشنی کے ساتھ چمک اٹھتی ہے۔ وِالّا اگر آخر پر غلبہ
الٰہی نہ ہو تو پھر تو ہر ایک بیچارہ و بے کس مخلوق کو مصائب سہنے
کے وقت خدا کا ہی مظہر ماننا پڑے گا۔ یہی وہ بات ہے جو ہمیں
ہر قوم کے مقدس لٹریچر میں نظر آتی ہے۔ یہی وہ بات ہے جو
بعض وقت ہمیں بت پرستوں اور یہاں کے قدیمی مذہب
ڈروڈازم میں بھی نظر آتی ہے۔ اور تو اور یہ بے زبان کائنات
بھی اسی صداقت پر مہر شہادت لگاتی ہے۔ بعض وقت مضر صحت
مواد کثرت کے ساتھ اس لئے جمع ہو جاتا ہے۔ کہ آخرکار سب

پر غالب آنے والی قوت نامیہ اس مواد کو قطعاً ہلاک کردے یہ تو مانا کہ یسوع میں خدا نے اپنے صبر اور تحمل کو دکھلایا لیکن اس کی اوصاف میں جو ناہلاک ہونا موجود ہے۔ اس کی قدرت میں جو دوسروں کو ہلاک کرنا موجود ہے۔ کیا یہ صفات بھی یسوع میں موجود ہیں۔ یسوع کے ماسوا بھی دنیا میں بہت سے صداقت کے جاں نثار پیدا ہوئے ہیں۔ جنہوں نے سچائی کے لئے مسیح کی طرح مصائب دیکھے اور مصایب کے وقت مسیح کی طرح صبر دکھلایا۔ کیا یہ سب کے سب خدا کا مظہر تھے۔ بہرحال کوئی مابہ الامتیاز انسان بشکل انسان اور خدا بشکل انسان میں ہونا چاہئے۔ خدا کا جلال تو خدا کے دشمنوں کی ہلاکت میں زیادہ ظاہر ہو سکتا ہے نہ کہ خود ہلاکت کے دیکھنے سے اور وہ ہلاکت بھی بدقماش دشمنوں نے جلدی پیدا کر دی۔ اگر یسوع کے دشمن یسوع کے ہاتھ سے ہلاکت تک پہنچ جاتے تو خدا کا جلال بھی نجات پاجاتا۔ اور اگر مان لیا جاوے۔ کہ اس کے دشمن بعد میں ہلاک ہوئے تو اس سے تو کچھ نہیں ثابت ہوتا۔ یسوع کے علاوہ کون سا شہید صداقت ہوا۔ جس کے دشمن ہلاک نہیں ہوئے۔ کسی صادق کے دشمن کبھی بھی مدتوں تک نہ رہے۔ اور آخرکار ان کی ذلت ہوئی۔ اور صداقت ہر حالت میں غلبہ پا گئی مغربی فاضل الٰہیات کے مقابل

غالباً ایک ہندو حکماء کا مفہوم الوہیت شاید بہت بلند و ارفع تھا۔ اگر خداوند نے جرمنی (کھرلی) میں ایک دفعہ پیدایش لی تو نصف درجن سے زیادہ دفعہ خداوند برہمنوں کی سرزمین میں پیدا ہوا۔ لیکن وہاں اُس کی پیدایش اُن علوم رتبت والے حالات کے ماتحت تھی جو خدائے ذوالجلال کی شان کے شایان تھی۔ یہ تو درست ہے کہ دونوں غلبۂ معصیت کے باعث خدا نے پیدایش لی۔ لیکن وہ ہندوستان میں تو شریروں اور نار است بازوں کو ہلاک کرنے اور اُن کو ہلاک کرکے اپنی سلطنت کو قایم کرنے آیا۔ اور گلیل کے کوچوں میں وہ اُن کے مقابل ایک عاجز شکار بن کر آیا۔ فطرتاً اُس کی پہلی حالت زیادہ تر قابل ترجیح اور اس کی عزت و جلال کے مناسب شان ہے۔ لیکن اس سے بھی چشم پوشی نہیں ہوسکتی۔ کہ خدا میں نرم اخلاق بھی موجود ہیں۔ میرے نزدیک تو اُس کے دونوں ظہور کیا ہندوستان میں اور کیا بیت اللحم میں۔ ہر دو جگہ ناقص اور ناکمل ہیں اس کا کامل ظہور تو اُس وقت ہوگا جب اُس کے سارے اخلاق جمع ہو جاویں۔ مثلاً اُس کا ظہور ایسے وقت ہو جب معصیت اور گناہ بدرجۂ اتم پہنچا ہو۔ وہ ایسے وقت مسیح کی طرح نہایت ہی عاجز اور مسکین حالت میں ظاہر ہو۔ وہ صداقت کی حمایت میں کرشن کی طرح جنگ کرے اور رامچندر کی طرح آخر کار مظفر و

منصور رہو۔ اور اگر خدا اسنے انسان میں ظہور کرنا ہی ہو تو یہ وہ حالات ہیں جو اس کے شامل حال ہونے چاہئیں۔ اور اگر یہ امر احاطہ امکان میں آسکتا ہے۔ کہ خدا انسان میں ظاہر ہو۔ تو پھر یہ محمد عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) ہی ہے اور نہ کوئی اور معزز رکن انبیاء کی شریف اور مبارک جماعت کا جو ان تمام ضروریات کو اپنے ساتھ پورا کر دیتا ہے +

خدا کی ناطرفداری اور یکسانیت

یہ الفاظ کہ " خداوند قدوس سب کی بھلائی چاہتا ہے۔ اور اس کی شان کریمی اس کے تمام افعال کو محیط کئے ہوئے ہے آج بھی اسی طرح سچے اور صحیح ہیں جس طرح کہ آج سے تین ہزار برس پہلے تھے۔ جبکہ اس سرود عارفانہ کا مقدس مصنف ان اپنی لے میں گاتا تھا۔ یہ حقیقت اس وقت بھی مسلم الثبوت تھی۔ جبکہ "آدم زمین کھودا کرتا تھا۔ اور حوا کاتنے میں مصروف رہتی تھی۔ صفات الٰہیہ میں غیر تغیر پذیری بھی ایک صفت ہے۔ اور اس کی ذات پاک اپنی ربوبیت میں ایک غیر متبدل اور اٹل ہستی ہے۔ خالق اکبر کے علم میں نسل انسانی کے فائدے کے لئے " رفعت میں ہوائی آسمان اور پستی میں زمین اور اس کے پنہانی گنجینے " اس وقت

سے موجود ہیں۔ جبکہ کرۂ آبی میں صرف روح ایزدی ہی کا حصول تھا۔ قدرت کے نا اختتام پذیر اسباب ہر ایک کے سامنے موجود ہیں۔ اور اس ہستی کے لیئے مفید اور ممد ہیں۔ جو ان سے تمتع اٹھانیکی ذرا بھی پرواہ کرتا ہے۔

خدا " اپنے ہاتھوں کو کشادہ کیئے ہوئے ہے۔ اور ہر ایک کی ضروریات کو مہیا کرتا رہتا ہے"۔ اس کی پروردگاری کسی خاص گروہ رنگ یا عمر تک محدود نہیں ہوئی۔ اگر نسل انسانی کی جسمانی تربیت کے لیئے اخلاق خداوندی میں اس قدر وسعت ہے کہ وہ شانِ ربوبیت میں ہر آن جھلک رہی ہے۔ تو کیا اس کی روحانی فیاضیوں کے متعلق اسی وسعت کا یقین صحیح استدلال پر مبنی نہ ہوگا مذاہب عالم کے تنقیدی مطالع سے جو کہ مختلف اوقات میں دنیا کے مختلف حصوں میں پیدا ہوئے۔ ہمارے اس عقیدہ کو اور بھی استحکام پہنچتا ہے۔ خصوصاً جبکہ ذرائع آمدورفت کی قلت نے باہمی ارتباط کو پیدا نہیں ہونے دیا تھا۔ یہ دنیا کے مذہب اپنے اصول اور قوانین میں بیشک مختلف ہونگے۔ مگر یہ سب کے سب ایک مشترکہ بنیاد پر استادہ ہیں۔

ہر مذہب اس بات کا مدعی ہے کہ اس کا ماخذ سرچشمۂ الہام الہی ہے اگرچہ وہ دوسروں کو اس حق سے محروم گردانتا ہے پس الہام ہر مذہب کی بنیاد ہے۔ کنفیوشس۔ زرتشت۔ بدھ

رام چندر۔ کرشن۔ محمدؐ۔ غرضیکہ اس مبارک گروہ کا ہر فرد سطح زمین پر اس وقت جلوہ گر ہوا۔ جبکہ دنیا کے مکانی اور زمانی حالات ایک مصلح کے متقاضی تھے۔ انہوں نے دنیا کو اخلاقی انحطاط کی اسفل تہ تک پایا۔ اور ان کی آنے کی غرض دنیا کے اخلاق کو بلند کرنا تھی۔ انہوں نے اپنے ابنائے جنس کو گناہ کی زنجیروں میں مقید دیکھا اور اس قید سے ان کو رہائی دلانا ان کے آنیکی غرض ٹھہری۔ نگروہ نجات جس کا مژدہ انہوں نے دنیا میں سنایا خودکشی میں پنہاں نہ تھی۔ کیونکہ اس سے تو عیسائیت کے مقدس بانی نے بھی بچنے کی کوشش کی تھی۔ اگرچہ ان لوگوں کو شہادت بلکہ اس سے بھی زیادہ مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ یہ باتیں نسل انسانی کے بچانیوالوں کے لیئے قسام ازل نے مقدر کر رکھی ہیں۔

وہ انسانی زندگی کو ایک نظامِ عمل کے ماتحت رکھنے کے لیئے آئین لائے۔ اور اس بات کے مدعی ہوئے کہ انہوں نے اس آئین کو الہام الٰہی سے حاصل کیا ہے۔ انہوں نے چند حقائق دنیا کے سامنے پیش کیئے۔ اور بتایا کہ خداوند عالم نے بذریعہ الہام ان کو ان حقائق پر آگاہ کیا ہے۔ انہوں نے اولاد آدم کو تلقین کی کہ ان کی بتلائی ہوئی باتوں پر ایمان لاکر عمل پیرا ہوں۔ اور کہ یہی ایک ذریعہ ہے جس سے گرے ہوئے اخلاق پھر ترقی پذیر ہو سکتے ہیں۔ الغرض انہوں نے دنیا کو ربانی شریعت دی۔ اور اس شریعت پر عمل کر کے قومیں اسطرح

سرسبز و شاداب ہوئیں۔ جس طرح ایک درخت دریا کے پانی سے شاداب ہوتا ہے۔ اور وقت پر اس کی شاخیں میوؤں سے لد جاتی ہیں جس طرح ظلمت کے بعد روشنی کا ظہور ہوتا ہے۔ اور امساک کے بعد بارش کا نزول اسیطرح جب فطرت انسانی گندی اور ناپاک ہو جاتی ہے۔ تو خدا جیسا کہ یہودی اصطلاح میں ہے "اپنے بیٹوں اور چنے ہوؤں کو" اس لئے دنیا میں بھیجتا ہے۔ تاکہ وہ شریعت خداوندی کی تلقین کریں۔ اور انسانوں کو احکام الٰہیہ پر کاربند کر دینے سے اپنے روٹھے ہوئے مالک سے پھر ملا دیں۔ یہ وہ حقیقت ہے۔ جس کو تاریخ نے ہر قوم کے لئے بار ہا دہرایا۔ یہ ربانی اخلاق کے اس حصہ کو واضح کرتی ہے۔ جس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جبکہ گناہ ہر طرف پھیل جاتا ہے۔ اور بدی کا ابر دنیا پر ہر سو چھا جاتا ہے۔ جب آلِ یعقوب کو گناہ سے آزاد کرنا مقصود تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح اپنے آپ کو ظاہر کیا۔

موسےٰ نبی شریعت لائے۔ اور بدی میں جکڑے ہوئے انسانوں کو اس پر عمل کرنے سے آزادی نصیب ہوئی۔

موسےٰ کے بعد نبیوں کی ایک جماعت صرف اسی لئے اٹھا کر کھڑی کی گئی کہ وہ بنی اسرائیل کو شریعت کے احکام یاد دلاتے رہیں، اور اس تنزل کی طرف لڑھکتی ہوئی قوم کے آخری مصلح نے بھی سی غرض کی اشاعت کی جبکہ وہ پکار اٹھا "کہ یہ خیال مت کرو کہ میں شریعت

کو تباہ کرنے آیا ہوں۔ بلکہ میں تو اس کی تجدید کیا چاہتا ہوں پس یقین کے ساتھ سن لو۔ میں تمہیں پکار کر کہتا ہوں کہ جب تک زمین و آسمان موجود ہیں۔ شریعت کا ایک شوشہ بھی ضائع نہیں ہوگا۔ حتیٰ کہ تمام قوانین پر پورا عمل درآمد ہو جائے۔!!

حضرت محمد خاتم النبیین نے بھی یہی پیغام دنیا کے گوش گذار کیا جبکہ وہ تمام نسل انسانی کو ہر قسم کی قباحتوں سے پاک کرنے آئے وہ اس وقت دنیا میں ظاہر ہوئے جبکہ گناہ اپنے درجۂ انتہا تک پہنچ چکا تھا۔ اور انسان تمام قسم کی حدود اللہ کو روند چکا تھا۔ اور تمام قوانین الٰہیہ کی تذلیل ہو چکی تھی۔ نیکی کا جنازہ نکل چکا تھا۔ اور بدی کا چہار دانگ عالم میں سکہ بیٹھ چکا تھا۔ اور نسل انسانی ایک دفعہ پھر سانپ کی کنڈلی میں آ چکی تھی۔ اور ہر شخص اپنے خالق کی یاد کو بھلا چکا تھا۔

رسول عربی صلعم کے ظہور کے وقت نہ کہ ان سے چھ سو برس پہلے حالت یہ ہوئی کہ جب "خدا نے آسمان سے نیچے نگاہ دوڑائی تا کہ دیکھے کہ کوئی ایسا بھی دنیا میں موجود ہے جو خدا کی تلاش میں ہے اور اس کے احکام کو سمجھتا ہے"۔ تو اس کو معلوم ہوا کہ تمام لوگ صراط المستقیم سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اور "وہ مکمل طور پر گندے اور ناپاک ہو چکے ہیں۔ اور ایک فرد بشر بھی ایسا نہیں۔ جو نیکی اور راستی پر قائم ہو"

اسلام عہد عتیق کی تکمیل ہے

حضرت محمد رسول اللہ صلعم نے بھی جن کے آنے کی غرض تمام بنی نوع انسان کی اصلاح تھی۔ اسی عظیم الشان عہد قدیم کو مکمل شکل میں پیش کیا۔ اور اس کی فلاح کے لئے وہی صراط المستقیم تجویز کیا جس پر کہ خدا کے پہلے برگزیدہ یعنی انبیا گامزن ہوئے۔ انہوں نے دنیا کے سامنے اسلام تلقین کیا جس کا مفہوم قانون الٰہی میں پورا ایمان اور اس کی مکمل فرمانبرداری ہے اور جو کہ دنیا کو اس کی نہایت ہی پست اخلاقی حالت سے آن واحد میں نجات دلاتا ہے پس دنیا کی تاریخ مذاہب اس کی مدعا حقیقت کا بار بار اعادہ کرتی ہے۔ مسیح علیہ السلام خود شریعت کے بڑے حامی تھے۔ اور اس کو قابل عمل یقین کرتے تھے۔ انہوں نے اسی سادہ اور قدیم عہد کی تجدید کی جو حضرت موسےٰ علیہ السلام دنیا میں لائے اور یہ عہد ان تمام تصنعات اور رموز سے پاک تھے۔ جو کہ ان کی زندگی کے بعد ایزاد کئے گئے جس کے متعلق وہ خود بھی پیشینگوئی کر گئے تھے۔ یعنی "ہر وہ شخص جو کہ خدا کے چھوٹے سے چھوٹے حکم کی نافرمانی کریگا۔ اور دوسروں کو بھی نافرمانی کی تلقین کریگا۔ وہ آسمانی بادشاہت میں اسی تناسب سے ذلیل ہوگا۔ مگر ہر وہ شخص جو کہ احکام الٰہیہ کی پابندی کریگا۔ اور دوسروں کی راہ نمائی کریگا

وہی آسمانی بادشاہت میں عظمت پائیگا" آسمانی بادشاہت میں عظمت کا انحصار مسیح علیہ السلام نے احکام الٰہیہ کی فرمانبرداری اور اشاعت پر رکھا۔ مگر موجودہ کلیسیا جس کی عمارت پولوس کے ہاتھوں سے تعمیر کی۔ بانیٔ مقدس کی غرض وغایت سے بالکل جداگانہ واقعہ ہوا ہے۔ یہ ان باتوں کی اشاعت کر رہا ہے۔ جو کہ مسیح کے خواب وخیال میں بھی نہ تھیں۔ یہ مقدس باپ کی ذات سے ان عجیب وغریب صفات کو منسوب کرتا ہے۔ جن کا انکشاف اکلوتے بیٹے نے کبھی نہیں کیا۔ بلکہ ایک رنگ میں اس کا منشا خطبۂ کوہی کی اغراض کے منافی ہے۔

(۳)

خداوند کی صلیبی موت نے نظامِ کہنہ کو بالکل بدل دیا۔

یوم الصلیب تک تو خدائی بادشاہت میں انسان احکام الٰہیہ کی فرمانبرداری اور اشاعت سے عظمت اور توقیر حاصل کر سکتے تھے۔ مگر صلیب کے واقعہ کے بعد تمام کایا پلٹ گئی۔ اور روحانی نجات کے طریقہ حصول میں تغیر واقعہ ہو گیا۔ پُرانا عہدنامہ ناقابل عمل متصور ہوا۔ اور اس پر عمل درآمد بے سود۔

علّامُ الغیوب نے ہزارہا سال کے تلخ تجربہ کے بعد اس حقیقت کو معلوم کر لیا۔ کہ جس قانون کو اس نے آج تک برکت جانا آخر کار لعنت ثابت ہوا۔ جس کا پولوس یوں تذکرہ کرتا ہے "کیونکہ قبل از

شریعت دنیا گناہ سے منزہ تھی۔ قانون کی عدم موجودگی میں گناہ کا وجود بے محل تھا" اور پولوس رسول غیر مسیحوں کو اس طرح مخاطب کرتا ہے "شریعت کی وجہ سے ہم گناہوں میں مبتلا ہوئے اور مقدس باپ کے اکلوتے بیٹے کی موت نے ہمیں اس ذات سے پھر ملایا"
یہ یونانی سوفسطیائی خوش نما خیال جو ہم روسیو باب پنجم میں پڑھتے ہیں کسی مزید تشریح کا محتاج نہیں۔ تاہم میں آگے چلکر اس پر زیادہ روشنی ڈالونگا۔

خدائی دورنگی

فی الحال میں صرف یہ جتانا چاہتا ہوں۔ کہ اخلاق خداوندی کا یہ نیا انکشاف خالق کی عالمگیر ربوبیت کے خلاف واقع ہوا ہے جو انسانی کینہ آمیزیوں اور رشک انگیزیوں سے بالاتر ہستی ہے شریعت پر عمل کر کے نجات حاصل کرنے کی بجائے اب مسیح کے خون پر ایمان لانا فلاح کیلئے لازمی ٹھیرا کیونکہ شریعت تو موسیٰ نبی کو ملی۔ مگر سچائی اور شفقت صرف مسیح کی ذات سے وابستہ ہوئی کیا خداوند تعالیٰ کی رحمت تمام کے لئے وسیع نہیں ہے۔ کیا اس کے تمام افعال میں ہمیں اسی کی جھلک نظر نہیں آتی؟ اگر نظر آتی ہے۔ تو ہمیں بتلایا جائے۔ کہ کیوں چار ہزار برس تک یہ صداقت اور شفقت ستم غیب میں پنہاں رہی اور آخر جدلی میں اس کا ظہور ہوا۔

اب اگر مسیح کے خون پر ایمان لانے سے ہم خدائی غضب سے محفوظ ہونے کے مستحق قرار دیئے گئے ہیں۔ تو کیا آل یعقوبؑ کی گذشتہ نسلیں زیرِ عتابِ الٰہی نہیں رہیں؟۔ ان کو کیوں یہ استحقاق نہ دیا گیا۔ اگر خداوند ہم پر مہربان ہے۔ اور مسیح ہم گناہگاروں کے لئے قربان ہو گیا۔ تو بتلایا جائے۔ کہ گذشتہ لوگوں کا کون کفارہ ٹھہرا۔ کیوں اس کا رحم اس وقت تک کسی نہاں خانہ میں پوشیدہ رہا۔

صلیب کی متواتر ضرورت

اوراقِ قدرت میں یہیں یہ حقیقت جلی حروف میں لکھی ہوئی نظر آتی ہے۔ کہ بعض خاص کیفیات کے پیدا ہونے سے بعض خاص خصوصیات الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔ پس اگر خدا اور اس کے دشمنوں میں اتصال پیدا کرنے کا بہترین طریقہ خداوند کی اپنی قربانی ہے۔ جو کہ مخلوق کے لئے ایک فیاضانہ عطیہ ہے۔ اور گناہوں کی کثرت سے کثیر ہو جاتا ہے۔ تو اس خدائی قربانی کی ہر آن ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان کی کوئی نسل لوثِ گناہ سے پاک نہیں نظر آتی۔

انسان ہمیشہ سے گناہ کرتا چلا آیا ہے۔ اور اس کے لئے موت بطور سزا ہمیشہ سے جاری چلی آتی ہے۔ مگر قبل از مسیح زمانوں میں خدائی حلم نے بہت سے انسانوں کو محروم رکھا۔ اگر گناہ کا باعث

شریعت ٹھیری۔ اور موت گناہ کا لازمی نتیجہ۔ اور اگر عیسائی عقیدہ کی بنا پر انسان فطرتاً شرعی احکام کی تابعداری سے قاصر رہا اور اور تخمیناً آدم سے لیکر موسےٰ تک موت کا دور دورہ رہا۔ تو ہم پوچھتے ہیں۔ کہ پھر کوہ سینا کے راستہ سے کیونکر شریعت کو دنیا میں داخل کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اور کیونکر پھر گناہ کو بنی اسرائیل پر زیر فرمان شریعت لاکر حکمرانی کرنیکی اجازت دی گئی۔

پولوس ایک ادہورے منطقیانہ انداز سے اس کی تشریح کرتا ہے۔ گناہوں کی کثرت کے بعد برکاتِ خداوندی کی کثرت کا ظہور ہوتا ہے۔ اور جب گناہ سب جگہ چھاجاتا ہے تو رحم بھی ابر کی طرح محیط ہو جاتا ہے۔ بظاہر یہ ایک عجوبہ تشریح نظر آتی ہے۔ اور خدائی صفات کا ایک نرالا ظہور معلوم ہوتا ہے۔ شریعت کی وساطت سے گندگی اور گناہ کو محض اس لیئے پیدا کیا گیا۔ کہ رحمت الہی کا ظہور اور آدمی کو اس لیئے استمراری لعنت کا مستوجب قرار دیا گیا۔ تاکہ باپ کی شفقت کا ثبوت واضح ہو۔

شفقتِ الٰہی کا ظہور اور گناہ کا وجود لازم ملزوم ہیں

اگر گناہ کی کثرت ہی نے ظہور قدسی کے وقت کا تعین کرنا تھا۔ تو اس کا انتخاب بلاشبہ ناموزون ہے اگر تاریخی شہادت قابلِ پذیرائی ہے۔ تو دنیا کو چھ سو برس اور بدی کے مکمل طور پر پھیل جانیکا

انتظار کرنا چاہیئے تھا۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ پیدائش مسیح کے وقت نہیں بلکہ رسول عربیؐ کے زمانہ میں نافرمانی اور گناہ درجۂ غائت تک پہنچ گئے تھے۔ یہی ظہور الہیٰ کی جلوہ گری کا وقت تھا۔ وہ بیشک دنیا میں ظاہر ہوا۔ مگر اس لئے نہیں کہ دشمنوں سے ذلیل ہو کر مارا جائے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ ان کا قلع وقمع کر دے۔ اکلوتا بیٹا اس عظیم الشان فرض کی انجام دہی کا پورا اہل نہ ہوا وہ آیا مگر سرکشوں کے گروہ سے قتل ہوا حتیٰ کہ خود باپ کو اژدہا کا سر کچلنا پڑا۔

باغ العنب کی تمثیل

اس طرح پر مسیح کی وہ پیشنگوئی جو اُس نے انگوروں کے باغ والی تمثیل میں کی تھی۔ پوری ہوئی۔ کسان جن سے مراد اس زمانہ کے یہودی ہیں۔ انہوں نے بہت سے نبیوں کو جو کہ "خداوند کے باغ کے مالی ہیں" مارا اور پتھروں سے اُن کی تواضع کی تب مسیح خدا کا "پیارا بیٹا" آیا مگر اس کو بھی "اسی طرح باغ سے دھکیل دیا گیا" آخر کار خداوند نے "ناپاک گھر" کو تباہ کر دیا۔ اور اپنے باغ العنب کو بھی جو کہ نبیوں کا ورثہ تھا۔ نئے باغ کے مالی بھی اور ہوئے۔ اور اسمٰعیلؑ کے جانشینوں میں سے "وہ پتھر جس کو معماروں نے مسترد کر دیا تھا۔ وہی کونہ کا پتھر ہوا۔"

پولوس کی تشریح کا بوداپن

پولوس کی توضیح مسئلہ زیر بحث کا حل نہیں ہے اگر کفارہ پر ایمان حصول نجات کے لیئے ایک لازمی بات ہے تو پھر موسیٰ علیہ السلام اور اس کی اولاد نے کیونکر فلاح پائی۔ اگر موسےٰ علیہ السلام نے شریعت پر کاربند ہو کر قرب الٰہی حاصل کیا۔ تو صلیبی واقعہ کے بعد کو آنیوالے لوگوں کے لیئے یہ قاعدہ کیونکر موجب سعادت نہ ٹھیرا۔ اگر موسےٰ کی پہلی اولاد ابھی تک اعراف میں ہے۔ تو ان کو نعمائے الٰہی سے محروم رکھے جانیکی وجہ بتلائی جائے۔ اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ آل یعقوب بھی اس آنیوالے عظیم الشان واقعہ یعنی برّہ کی قربانی پر ایمان رکھتے تھے۔ اور اسپر فصاحت اور منطق کو عہد نامہ عتیق کی عام فہم اور سادہ عبارت کی بیجا توضیحات میں ضائع کیا گیا ہے۔ جو کہ مغرب کی دینی بحثوں کا خصوصی حصہ ہے۔ میں اس پر کوئی اعتراض تحصیل حاصل سمجھتا ہوں۔ کیونکہ لکھوکھا انسان ابھی تک خدا کے "برگزیدوں" میں شامل نہیں ہو سکے اور بنی اسرائیل کے ماسوا باقی دنیا ان روحانی اسرار سے آشنا نہیں کی گئی۔ بلاشبہ ان کو خداوند تعالےٰ کی شریعت ان کے اپنے نبیوں کی معرفت ملتی رہی۔ انہوں نے بھی عہد شکنی کی مگر خداوند تعالےٰ نے ان کو اپنے اس نور سے مستفیض نہ کرنا چاہا جس سے وہ قرب الٰہی حاصل کر سکتے۔ خدائی صفات

کے اس ظہور کے بعد بھی قومیں صدیوں تک حرماں نصیب ہیں موجودہ زمانہ میں دنیا میں ابھی ایسے ملک ہیں۔ جہاں عیسائی مشنری نہیں پہنچ سکے اور جہاں کے بسنے والے اس نئے پیغام کو نہیں جانتے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ مشنریوں کی تبلیغی تحریک رفتہ رفتہ ان ممالک کو تسخیر کرے۔ ان کو خداوند کی حلقہ بگوشی نصیب ہو یا نہ ہو مگر وضع داری کے طور پر چند رسموں کو ادا کر لینے سے وہ یورپ کے جوئے کے ماتحت آسکیں گے۔ یونسل کی آمد کے لئے مشنری پہلے میدان صاف کرتا ہے۔ دوسرا قدم تجارتی حقوق کا حصول ہے۔ جس سے دخل در معقولات کا بہانہ مل جاتا ہے اور سیاسی اقتدار حاصل ہو جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ ملک کی تسخیر اور الحاق ہے۔ مگر اس وقت تک گم گشتگان راہ کی نجات کیا ہوئی۔ بیشک ان کے پاس اپنے رنگ میں خدائی احکام پہنچے ہیں۔ مگر کہا جاتا ہے۔ کہ انسان شریعت کی پابندی سے فطرتاً قاصر ہے۔ جس وجہ سے وہ سب گناہگار ہیں۔ اور جب تک وہ نئے طریق نجات پر ایمان نہ لائیں وہ خداوند کی بادشاہت میں قدم نہیں رکھ سکتے۔ مگر جس کی صدا ابھی تک ان کے کانوں تک بھی نہیں پہنچی۔ صفات الٰہی میں یہ کینہ آمیزیاں کیونکر ممکن ہو سکتی ہیں۔ وہ تو سب کا خدا ہے۔ اور اس کا کرم عام۔ اگر عہد نامہ عتیق کی شریعت عالمگیر تھی۔ تو اس نئے عہد نامہ میں روک اوٹیں

کیا معنی۔

نئی تعلیم انسان کو نجات دلائے یا نہ دلائے۔ مگر بلاشبہ خدا کو مقید کر دیتی ہے۔ اس سے وہ بھی متلون اور متبدل ٹھہرتا ہے اور اس کی مہربانیاں اور فیاضیاں محدود ہو جاتی ہیں۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں۔ کہ قبل از اسلام تمام مذاہب کے پیراؤں میں یہ تنگی رائے موجود ہے۔ جو کہ مسئلہ نجات کو بے معنا کر دیتی ہے وہ اپنے مذہب کا ماخذ تو سرچشمۂ الٰہی بتاتے ہیں اور دوسروں کو اس حق سے محروم گردانتے ہیں۔ گویا کہ خدا یکساں طور پر سب کا خدا نہیں ہے۔

خدا پروردگار عالم

خدا کی ربوبیت عامہ کے غلط تصور میں صدیوں تک مذاہب مبتلا رہے۔ حتیٰ کہ خدا کا آخری کلام آیا۔ اور اس نے خدا کے متعلق ان حدود و قیود کا قلع و قمع کیا۔ قرآن کریم کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وہی سزاوار ہے تمام محامد کا اور وہی خالق و رازق ہے ایک ملک کا نہیں ایک قوم کا نہیں بلکہ تمام دنیا جہان کا اور تمام زمانوں کا وہ اپنی ربوبیت میں سب سے یکساں ہے کیا روحانی اور کیا جسمانی یہ آیۃ کریمہ جواب ہے۔ ان تمام اباطیل کا جو کہ صفات الٰہیہ کو محدود کر دیتے

ہیں۔ اور صرف ایک خاص قوم کو ہی کی رحمت کا مورد قرار دیتے ہیں۔ اور باقی تمام دنیا کو اس سے محروم گردانتے ہیں۔ گویا کہ اللہ تعالے نے سب کو پیدا کر کے ان کو بے سود اور بیکار جان کر انہیں ناقابل التفات سمجھنے لگا۔

برخلاف اس کے قرآن کریم صاف طور پر بتلاتا ہے۔ کہ وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ یعنی کوئی گروہ دنیا میں ایسا نہیں گذرا۔ جس میں ہم نے ڈرانیوالے پیدا نہیں کئے۔ اور اسی صداقت کو ان الفاظ میں دہرایا وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ یعنی ہر قوم کے لئے ہادی بھیجے گئے۔ اس سے خدا کی اس عالمگیر ربوبیت کا پتہ چلتا ہے جس نے وقتاً فوقتاً ہر قوم کو شریعت سے بہرہ ور کیا۔ اور آسمانی بادشاہت کے دروازے سب کے لئے کھولدئے بشرطیکہ وہ خواہ بہتر ہو یا کہتر ان احکام الٰہیہ کی پوری پابندی کریں۔ اور جس کی تصدیق خود مسیح کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ مگر کفارہ کی تعلیم ہزار ہا سال تک آشکارا نہ ہوئی۔ اور جب اسکو آشکار کیا گیا تو انسانوں کے کثیر حصہ کو صدیوں تک اس سے محروم رکھا گیا۔ ابھی تک دنیا میں لاکھوں انسان ہیں جو اسی ہی کی اولاد ہیں جو پولوس کے قول کے مطابق پہلے گناہ کا مرتکب ہوا جن کو آج تک اس عطیہ ربانی سے محروم رکھا گیا ہے۔ وہ ابھی تک اسی لعنت ابدی کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ اور رحمت خداوندی ان کو بے شمار گناہوں سے نجات نہیں دلاسکتی۔

مروارید ثلاثہ

یہ تین کتابیں مسلم گھروں میں ہونی چاہییں

یہ ہر سہ کتب مصنفہ خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری ہیں جو تین خاص مضامین پر نایاب و بے مثل کتابیں ہیں جو بتفصیل ذیل درج ہیں آپ کے مطالعہ کے قابل ہیں

براہین نیرہ حصہ اول کی معروف زندہ و کامل الہام قیمت ۱۲/ اسمیں یہ دکھلایا گیا ہے کہ قرآن کریم ایک خاتم اور ناطق الہامی کتاب ہے جسمیں تہذیب و تمدن کے کامل قوانین موجود ہیں اس ضمن میں مصنف نے ایک حکیمانہ بحث میں موجودہ تہذیب پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ کل مذاہب دیگر کے عقاید اور اصولوں پر نہایت منطقی بحث کی گئی ہے۔

ام الالسنہ کی معروف زندہ و کامل الہامی زبان قیمت ۱۲/ یہ کتاب بالکل جدید تصنیف ہے اور جدید مضمون پر لکھی گئی ہے اسمیں یہ دکھلایا گیا ہے کہ عربی الہامی زبان ہے اور کل دنیا کی زبانیں اسی سے نکلی ہیں ابتدا میں سب ملکوں کے آبا و اجداد عربی الاصول تھے۔ یہ کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

اسوۂ حسنہ کی معروف زندہ کامل نبی قیمت ۸/ اس میں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بحیثیت انسان پیش کیا گیا ہے یہ کتاب مقبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے اس کتاب کو پڑھکر ماننے کے سوا چارہ نہیں رہتا کہ محمد صلعم خاتم النبین ہیں اور اگر کوئی کامل نبی ہوسکتا ہے تو وہ آپکی ذات پاک ہی ہے

نوٹ: محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا

لمعات انوار محمدیہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک حالات آپ کے خلق عظیم کا آئینہ حسن سیرت و معاشرت کا فوٹو علمی ادبی تمدنی اخلاقی و اصلاحی مضامین کا دلاویز مجموعہ آنحضرت صلعم کے مختلف شعبہ ہائے زندگی کا دلکش مرقع جسمیں جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی مسلم مشنری و جناب مولوی صدر الدین صاحب بی اے بی ٹی و حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی و جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لاء و جناب مارماڈیوک پکتھال و جناب ایس ایچ لیڈر مصنف ڈینبر رٹ و دیگر مشاہیر قوم کے گرانقدر مضامین ہیں جو نہایت قابل دید ہے اور آنحضرت صلعم کو مختلف حیثیتوں میں پیش کیا گیا ہے قیمت مجلد ۱/

المشتہر

خواجہ عبد الغنی منیجر مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل (لاہور)

المشتہر خواجہ عبد الغنی منیجر مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور